© rasailojaraid.com

مریم فرانسس

برصغیر میں نوآبادیت اور مسیحیت

[پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ - ملتان کی جانب سے ایک مجلّہ ''اچھا چرواہا'' کلیسیا میں تدریسی رہنمائی کرنے والوں کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔اس کی اشاعت محدود سے حلقے میں ہوتی ہے۔ اس کی مدیرِاعلیٰ مریم فرانسس نے ۱۹۹۹ء کا ایک شمارہ ''نوآبادیات [کذا: نوآبادیت]'' کے لیے مخصوص کیا ہے اور انہوں نے دوسرے مضامین کے ساتھ خود ''ہندو پاک میں نوآبادیات [نو آبادیت] و مسیحیت'' پر قلم اٹھایا ہے۔ ذیل میں اُن کے شکریے کے ساتھ مضمون کے ضروری حصے پیش کیے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لیے اکا دکا الفاظ بدل دیے گئے ہیں، یا ایک دو الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مدیر]

[ایشیا میں باہر سے آنے والے نوآبادیاتی ممالک چھ تھے۔] ان میں تین کیتھولک پرتگال، سپین اور فرانس، اور تین پروٹسٹنٹ ممالک ہالینڈ، برطانیہ اور امریکہ تھے۔ سپین اور امریکہ کا زیادہ رجحان مشرق بعید کی جانب فلپائن، تائیوان، جاپان اور چین کی طرف تھا، جب کہ پرتگال، ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ نے اپنے پنجے ہندوستان میں گاڑھے۔

کاتھولک ممالک کو اپنی مہم کی ابتداء ہی سے بادشاہوں اور خصوصاً پاپائے روم کی حمایت اس لیے حاصل تھی کہ ان کے مقصد میں خام مال اور گرم مسالوں کے علاوہ مسیحیت کی تبلیغ اور روحوں کی نجات بھی شامل تھی۔ نئی دنیاؤں کی دریافت کا جنون نشہ بن کر ان ممالک کو سرشار کر رہا تھا۔ ۱۵۱۷ء میں مارٹن لوتھر اور ۱۵۳۴ء میں ہنری ہشتم کی روم سے چپقلش نے روحوں کی نجات کے ایشو پر سنجیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسیحیوں کو بہت کچھ سوچنے اور کرنے کی طرف راغب کیا۔ سیاحوں اور تاجروں کے مقصد کے برعکس وہ مسیحی ایمان کی پہچان دینے کے لیے مسافروں کی قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ برصغیر میں ۱۵۴۲ء میں ''جیز ویٹ'' نوآبادیاتی نظام کا حصہ بن کر جنوب مغربی ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں وارد ہوئے۔ ''گوا'' ان کا مشن سٹیشن بنا اور اس خطہ زمین پر باقاعدہ طور سے مسیحیت کی بنیاد رکھی جانے لگی۔

یورپ کو اپنی ترقی کے لیے ایشیا کی ضرورت تھی۔ صرف ایشیا ہی اسے خام مال جیسے کپاس، ریشم، اشیائے خوردنی، مسالہ جات اور دیگر اسباب تجارت مہیا کر سکتا تھا۔ اس خطہ کے علاوہ یورپ کے لیے اس مشکل کا حل قریب قریب نہیں تھا۔ ان وقتوں میں تجارت ایک ہاتھ لے، ایک ہاتھ دے کے مطابق شے کے عوض شے سے ہوتی تھی، کیونکہ کرنسی، قرض اور بنک جیسی بلاؤں کا قطعی شعور نہ تھا۔ یورپیوں نے افریقہ سے لوٹی گئی قیمتی دھاتوں سونے چاندی اور جواہرات سے ہندوستان کو بہلایا جو کسی طور بھی اس کی بنیادی ضرورت نہ تھیں، لیکن ان کی چکا چوند مغلوں، نوابوں اور راجاؤں کو اندھا کر گئی۔ اپنے محل، دربار اور حرم کی سطوت کے لیے تجارت کے اس بھونڈے انداز کو بند آنکھوں اور عقل پر پردے ڈال کر قبول کر لیا گیا۔ وہ ہندوستان کی حقیقی ضروریات دونوں ہاتھوں لٹانے لگے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یورپ والوں کو دھاتوں کی سپلائی گراں گزرنے لگی، چنانچہ اس مسئلے کا حل یوں تلاش کیا گیا کہ انہوں نے ایشیائی اقوام کو فتح کرنا اور تبدیلی مذہب کی طرف راغب کرنا شروع کیا۔ فاتحین کے سامنے وہ چت ہو گئے، کیونکہ مفتوحین ہی میں سے مفاد پرست صاحبِ اختیار نوآبادیت کے حامی بن گئے۔ یورپیوں کا نوآبادیاتی عمل وطن کے دغابازوں کی بدولت آسان اور تیز ہو گیا۔ انہوں نے نئے نئے علاقوں پر اپنی ثقافت، اپنی زبان اور کسی حد تک اپنا مذہب لاگو کرنا لازمی قرار دیا۔ یوں مسیحیت کا پرچار (انجیل کی بشارت نہیں) نوآبادیاتی نظام کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ بن گیا۔ کاہنوں اور مذہبی جماعتوں کو بطور چیپلن اور مشنری تجارتی بیڑوں میں بڑھ چڑھ کر جگہ دی جانے لگی۔ ان میں سے اکثر خدا پرست اور روحانی لوگ تھے جو بڑے اچھے اور نیک مقصد سے اپنے ملک اور مذہبی سربراہوں کے اجازت نامے سے مشرق و مغرب میں گئے تاکہ انجیل کے مطابق ''جاؤ اور سب اقوام کو میرے شاگرد بناؤ'' کے تحت یسوع کی آزادی کا مژدہ دیں، لیکن شومئی قسمت سے لاشعوری طور پر وہ سیاست، فوج، تجارت، فیکٹری اور قلعہ کے وفادار بن کر مسیح کی آزادی کی بجائے انہیں غلامی کا طوق پہنانے لگے۔

جنوبی ہندوستان کے انتہائی ساحلی علاقوں خصوصاً مالا بار، کیرالہ، تامل ناڈو اور مدراس کا دعویٰ ہے کہ انہیں مسیحیت کی تبلیغ براہ راست توما رسول سے ملی۔ ازاں بعد سیریک (Syriac) کلیسیا سے ان کا باقاعدہ رابطہ ہوا۔ آٹھویں صدی میں شمالی ہند میں آرمینی نسطوری کلیسیا تاجروں کے ساتھ متعارف ہوئی۔ ہمارے پاس ۱۵ویں صدی تک کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہیں جو ایک تاریخ مرتب کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مسیحیت کی اشاعت کا کام واسکوڈے گاما کی تجارتی مہم کے ساتھ جیز ویٹ مشنریوں کے ساتھ شروع ہوا، جب کہ مستند شواہد ہیں کہ ٹھٹھہ میں کارملائیٹ اور یو۔پی میں فرانسسکن، ڈومینکن اور اگسٹین قلیل تعداد میں موجود تھے۔

جیز ویٹ کی ہندوستان میں آمد مسیحیت کی تبلیغ کے لیے دھماکہ دار ہوئی۔ فرانسس زیویئر نے گوا میں سینٹ پال کالج کھولا جہاں مذہبی تعلیم کے علاوہ مقامی لوگوں کے لیے پرتگیزی زبان سیکھنے کا انتظام کیا گیا۔ جیز ویٹ فلکیات، جغرافیہ، اسلامیات اور دیگر کئی علوم میں شہرہ آفاق تھے۔ ۱۵۸۰ء میں اکبر بادشاہ نے وائسرائے اور پروونشل کی باقاعدہ اجازت کے ساتھ انہیں فتح پور سیکری بلایا جہاں ہندوستان کے سب مذاہب کے ساتھ اُن کے مناظرے ہوتے تھے تاکہ وہ مسیحیت کو براہ راست جانے اور مبلغین سبھی مذاہب کے علماء اور فضلاء سے رابطہ کریں۔ جیز ویٹ نے اس موقع کو نیک فال خیال کیا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ جس طرح مالدیپ اور لنکا کے بادشاہ مسیحی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گئے تھے اور حال ہی میں گوا میں بیجاپور کے راجہ کا ایک نزدیکی رشتہ دار مسیحی ہو گیا تھا، خدا سے توفیق پا کر اکبر کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کر سکیں گے۔ اس خواہش کے تحت وہ بہت جوش سے پرتگیز سرکار کی محافظت میں شمالی ہندوستان کی جانب دربار دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔

آگرہ میں ہندوستانی رواج کے مطابق ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اکبر اور اہلِ درباران کے طور طریقوں، منظم طرزِ زندگی اور خصوصاً علمیت سے بہت متاثر ہوئے۔ بہت جلد انہیں اسلامی علماء کے ساتھ مباحثہ کرنے اور اصول دین کی وضاحت کا موقع ملا جو ایک سلسلہ بن گیا۔ ابوالفضل ''اکبر نامہ'' میں لکھتا ہے کہ ''پادری روڈلف 'عبادت خانہ' (جہاں اکبر مناظرے کرواتا تھا) میں آیا۔ وہ بڑا قابل اور فاضل شخص تھا اور مسیحیت کے علم میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ بعض جاہل اور تنگ نظر لوگوں نے ان پر اعتراض کیے جو پرانے اور فرسودہ تھے اور عقل کے خلاف تھے۔ ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا۔ پادری نے قرآن پاک سے چند ایک سوالات کیے، مسلمان علماء ان کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ علماء نے انجیل کے متضاد مقامات پیش کیے، لیکن وہ اپنے دعوؤں کے لیے کوئی دلیل نہ دے سکے۔ پادری روڈلف نے نہایت متانت اور دلی یقین کے ساتھ جواب دیے جو تسلی بخش تھے۔''

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مباحثہ کے دوران میں مبلغین بے باکانہ، صاف اور کھلے درشت الفاظ استعمال کرنے لگے جن سے مذہبی حقارت کے علاوہ ثقافتی برتری کا احساس جھلکتا تھا۔ یہ طریقہ کار انجیل مقدس کے منافی تھا۔ پطرس، پولوس اور ابتدائی کلیسیا پنتیکوست کے بعد فلسطین سے جہاں بھی گئی، یونانی - رومی (Hellenistic) دنیا میں جذب ہو گئی۔ انہوں نے نہ صرف یسوع کی تعلیمات کو Hellenistic فلسفہ اور زبان میں ڈھال دیا، بلکہ مسیحیت ان کی ثقافت میں مکمل طور پر ڈوب گئی۔ یروشلم کی پہلی مجلس میں رسولوں نے یہ طے کیا کہ ''شاگردوں'' (ایمان لانے والوں) کی گردن پر شریعت (یہودی ثقافت) کا جوا نہیں رکھیں گے، کیونکہ روح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القدس ایمان سے ان کا دل پاک کر کے ہم میں اور اُن میں کچھ فرق نہیں رکھتا (اعمال ۱۵:۹-۱۰)، جبکہ سولہویں صدی میں تاریخی واقعات کی اونچ نیچ کی وجہ سے فضا ایسی بن گئی کہ یورپی برانڈ مسیحی بہت سی اچھی خوبیوں، ریاضت، دُعا، جوش اور محنت کے باوجود ثقافتی احساسِ برتری کو کم نہ کر سکا۔ شمالی ہندوستان میں جیز ویٹ کی مسیحیت درباری مذہب رہی، جس کی زیادہ توجہ مناظرے اور دربارِ دہلی، آگرہ اور لاہور پر رہی، عوام سے اُن کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ اورنگ زیب کے مذہبی تعصب نے غیر مسلموں پر جزیہ لگا کر مالی لحاظ سے انہیں اتنا کمزور کیا کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے ہی میں عافیت سمجھی، کچھ ہجوم میں ایسے گم ہوئے کہ اُن کی تلاش ممکن نہ رہی۔

شمالی ہندوستان کے بجائے جنوبی ہندوستان میں پرتگیزی وائسرائے کی سرکردگی اور سریانی کلیسیا کی بدولت جیز ویٹ بہت ہی کامیاب ہوئے۔ یوں بھی تخت دہلی سے دور دکن برہمنوں کا گڑھ تھا جو یورپی مسیحیوں اور مبلغین کی طرح علم و ادراک میں دلچسپی رکھتے تھے۔ پرتگیزیوں، ازاں بعد ولندیزیوں اور انگریزوں کے لیے یہ زمین ہر لحاظ سے سازگار رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ بنگال اور دکن میں مختلف کلیسیاؤں نے تبلیغ، تعلیم و تربیت اور فلاحی کاموں میں بہت ترقی کی، جبکہ شمالی ہندوستان خانہ جنگی کے علاوہ یورپی طاقتوں سے نبرد آزمائی میں مصروف رہا۔

وہ خطہ جس میں آج پنجابی پاکستانی مقیم ہیں، اس کی باقاعدہ مسیحی تاریخ ۱۸۴۲ء میں انگریزوں کی افغانوں کے ساتھ جنگ سے شروع ہوتی ہے۔ افغانوں کے ساتھ انگریزوں کا ٹکراؤ پہاڑوں سے ٹکر لینے کے برابر تھا، کیونکہ افغان وہ زبردست قوم ہے جو روس جیسی زبردست طاقت کے سامنے لوہا بن کر رہی ہے۔ انگریزی فوج میں بیشتر تعداد اینگلو انڈین اور گوآنیز کی تھی۔ جنگ کے طول پکڑنے کی وجہ سے ایک تو چھاؤنیوں میں چیپلن درکار تھے، دوسرے ان کے بچوں کی تربیت کا مسئلہ بھی تھا۔ اسی اثناء میں برطانیہ نے اپنی جنگی پالیسی میں ترمیم کرتے ہوئے ۱۸۴۹ء میں پنجاب فتح کر لیا۔ آئرش کا ہن چھاؤنیوں اور جیزس اینڈ میری سسٹرز کو ۱۸۵۶ء میں سیالکوٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بلوایا گیا، لیکن ابھی تک تمام توجہ مسیحی یوریشین آبادی کی طرف تھی۔ مقامی لوگ یا تو کٹر قسم کے سنی تھے یا جاگیردار، اور اکثریت بے ذات کی تھی جو درباریوں، جاگیرداروں، تاجروں اور فوجیوں کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ اچھوت اور بے ذات، رومی غلاموں اور سیاہ فام بردہ فروشوں کی طرح انسانیت سے گری ہوئی زندگی بسر کرتے تھے۔

نوآبادیاتی نظام کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا کہ انجیل کا پیغام اس زمین پر ان لوگوں کو پہلے دیا جائے جن کی مذلت اس تک پہنچی۔ ۱۸۸۶ء میں بلجیئن کیپوچن، ۱۸۸۷ء میں مل ہل فادرز کو اس شرط پر یہاں تبلیغ کا اجازت نامہ دیا گیا کہ وہ چھوٹی ذات اور عوام کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی لاہور ڈایوسس کو وجود دیا گیا جس کی حدود جالندھر سے بہاولپور تک تھیں۔ پہلے ۲۷ مقامی لوگوں نے آڈھا (سیالکوٹ) میں ۱۸۸۹ء میں بپتسمہ پایا جو یسوع کے ۲۷ شاگرد چننے کی علامت تھی۔ یوں اڑھائی سو برس کے رخنہ کے بعد جو مغلیہ دور کی تنگ نظری اور جیز ویٹ کی حکمت عملی کی کمزوری کی وجہ سے پڑ گیا تھا، مسیحیت کو ایک بار پھر متعارف کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی میں پنجاب میں قحط نے بار بار حملے کیے، مشنریوں کی مدد، ہمدردی اور محبت کی وجہ سے بہت سے مصیبت زدوں اور نچلی ذات کے لوگوں نے مسیحیت قبول کی۔ انہیں بعض ایک تاریخ دانوں نے غیر شائستہ الفاظ میں رائس کرسچن (Rice Christian) کے جنم لینے سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ انجیل کے عین مطابق ہے۔ کفرنحوم کے لوگ جو اکثر یسوع کے خلاف رہتے تھے، روٹیوں کے معجزہ کے بعد اس کی تلاش میں تھے۔ یسوع نے اُن سے کہا: ''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم مجھے اس لیے نہیں ڈھونڈتے کہ تم نے کرشمے دیکھے، بلکہ اس لیے کہ تم روٹیاں کھا کر سیر ہوئے'' (یوحنا ۶:۲۶)

مشنریوں کی زاہدانہ زندگی، قربانی، محنت کا صلہ صرف خدا کی پاک ذات ہی دے سکتی ہے۔ ہم اُن کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے سراہتے اور ان کے اوصاف کی تقلید کرنا چاہتے ہیں، لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خامیوں سے مبرا صرف خدا کی ہستی ہی ہے۔مشنریوں نے نوآبادیت کی چند ایک غلطیوں کو اپنایا جس کے اثرات پاکستانی کلیسیا پر اب بھی پائے جاتے ہیں۔چونکہ پنجابی مسیحی بے ذات میں سے تبدیل ہوئے تھے۔یورپیوں، اینگلو انڈین اور گوآنیز کے لیے وہ نچلی ذات کے مسیحی تصور کیے جانے لگے، ان کے لیے پرائمری سکول، ٹیچر، مناد، ڈرائیور، باورچی، چپڑاسی ہونا بھی بڑی بات تھا۔سب سے بڑی افسوس ناک بات یہ ہے کہ ریلجس لائف میں خواتین lay سسٹرز کے طور پر قبول کی جاتی تھیں۔مریم آباد سسٹرز اور لاہور میں مقامی برادرز کی بنیاد عصبیت کی کھلی تصویر ہے۔پنجابی لوگوں کو نااہل، غیر ذمہ دار اور چھوٹے ذہن کا سمجھا جاتا تھا۔۱۹۶۲ء میں ایک مسلمان انتھنی قریشی کو کہانت کے لیے قبول کیا گیا، کیونکہ وہ اونچی ذات سے تھا۔کہانت کے بعد اُس نے اپنی زندگی جنوبی ہندوستان میں گزاری۔کوئی دس سال پہلے فادر لاری سلڈانہ نے اُن سے ملاقات بھی کی اور ''کاتھولک نقیب'' میں اس کا ذکر کیا گیا۔فادر انتھنی قریشی اب خداوند میں سو گئے ہیں۔باقی لڑکوں کو اس بنا پر کہانت کے لیے قبول نہ کیا گیا، کہ وہ ناپاک ذات سے تعلق رکھتے تھے، اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ''اگر کسی مرد میں نقص ہو تو وہ خدا کی نذر گزراننے کے لیے نزدیک نہ آئے'' (احبار ۲۱:۱۷)۔گویا چھوٹی ذات سے تعلق رکھنا نقص تھا۔اس قبیح روایت کو بشپ بینڈکٹ چیالیو نے اس وقت توڑا جب ۱۹۵۲ء میں خوشپور کے بابو بڈھا مل جوزف کے فرزند جان جوزف کے کاہن بننے کی منظوری روم سے لی۔''کوئٹہ مائنر سیمنری'' میں پنجابیوں اور گوآنیز کی ہمیشہ چپقلش رہی۔دونوں اطراف سرد جنگ کے ذریعہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتی رہیں۔یہ جنگ کلرجی عوام میں اب تک جاری ہے جو پاکستانی کلیسیا کو بابرکت اور ترقی یافتہ بننے میں حائل ہے۔بشپ بینڈکٹ چیالو کی وساطت سے بہت سے دیگر بحرانوں پر عبور پایا گیا۔مقامی ریلجس کو بدیسی ریلجس کے مقام پر لایا گیا۔منادوں اور ٹیچرز کو کلرجی کے شانہ بشانہ بیٹھنے کی شہ دی گئی، لیکن یہ اثرات اتنا گہرا زخم چھوڑ گئے ہیں کہ خود پنجابی کلیسیا اپنی پہچان آج تک نہیں کرا پائی۔پڑھنے لکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سطحی دلچسپی، تحقیقی کام کے جذبہ کا فقدان، سہولیات برائے سہولیات، بلکہ سہولیات کو معیار اور طاقت سمجھ کر استعمال کرنا ایسی خامیاں بلکہ گناہ ہیں جو سابقہ مشنریوں کی لاشعوری غلطی سے کہیں زیادہ گھمبیر اور تکلیف دہ ہیں، وہ نا اہلیت، غیر ذمہ داری اور چھوٹی ذہنیت کے لیبل کو یقینی بناتے ہیں۔

آج نئی نسل کے سامنے ان حالات کو واضح کرنا ضروری ہے تاکہ بہت سی غلطیوں کو دہرایا نہ جائے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُن کی تعمیر خوب صورت بنیادوں پر رکھی گئی ہے، اس لیے وہ انجیل کا اصل چہرہ پہچاننے، بلکہ خود انجیل بننے کے قابل ہیں۔

یہ مضمون کاتھولک صورت حال کے مطابق ہے۔ پروٹسٹنٹ کلیسیاوں کے بارے میں میرا مطالعہ گہرا نہیں۔ صرف اتنا مطالعہ ہے کہ پروٹسٹنٹ نوآبادیت کے ساتھ برصغیر میں وارد ہوئے اور جیز ویٹ کی تبت کی طرف توجہ کے دوران میں بنگلہ دیش، سرحد اور بلوچستان میں انھوں نے مذہبی جذبہ سے سرشار نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ ان کا تبلیغی طریقہ کار انفرادی خاندانوں پر توجہ دینا اور انہیں تعلیم و تربیت سے اس لیے آراستہ کرنا تھا کہ وہ خود اپنے اردگرد کے ماحول میں بشارتی کام کریں۔ انگلیکن، میتھوڈسٹ اور لوتھرن نے اپنی بنیادی روایت کے مطابق بائبل مقدس پر بہت زور دیا، اور اس کی اشاعت اور تشہیر میں عظیم کام کیا۔ سیرام پور (بنگلہ دیش) کے تین مشنریوں (The Great Trio of Serampore) نے بائبل مقدس کے ترجموں اور اشاعت کے علاوہ جدید ہندوستانی زبانوں میں گرامر اور ڈکشنریاں ترتیب دیں۔

© rasailojaraid.com